مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور ان کی تفسیر معارف القرآن

Molāna Muhammad Idrīs Kāndhalvi and his Qur'ānic Commentary "Ma'ārif al-Qur'ān"

Hafiz Abdul Rasheed*
Habib u Rehman**
Abdul Rehman Kaloi***

Abstract
The Qur'ān is the book belongs to Allah Almighty which will last forever until the Day of Resurrection and is a source of guidance for all mankind till the Day of Judgment, so it is indispensable for all people of different languages, regions and times. Therefore, scholars of every language of every age have, according to their own skills, been using their abilities to interpret the Holy Qur'ān and guide their people, and this will continue till the Day of Judgment. Maulana Idrees Kandhlavi (RA) is well-known among Indian subcontinental Islamic scholars. His Quranic Tafsīr is "Ma'ārif al-Qur'ān". One of the scholarly traditions of the Muslims is that they keep the credentials as well as the information, so it is also important to know the circumstances of the narrator and to preserve it. This article takes a look at the life of Hazrat Maulana Idrees Kandhlavi (RA), as well it explains the style and characteristics of his Quranic commentary "Ma'ārif al-Qur'ān" in order to present him and his commentary to the class of scholars.
Keywords: Commentary of Holy Qur'ān, Idrīs Kāndhalvi, Characteristics of the Qurānic Commentary, Ma'ārif al-Qur'ān.

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے احوال و آثار

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ پاکستان کے نامور عالم دین تھے۔ آپ کی ساری عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری اور ہزاروں اوراق، تلامذہ اور اصحاب علم و فضل کی ایک جماعت تیار کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوئے۔

مولانا کاندھلویؒ 12 ربیع الثانی 1317ھ بمطابق 20 اگست 1899ء کو شہر بھوپال میں پیدا ہوئے۔ اس بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

"ولدت للثانی عشرمن الربیع الثانی سنة سبع عشر بعد مضی الف وثلٰث ماة فی بلدة بھوپال"۔[1]

یعنی میں 12 ربیع الثانی 1317ھ کو شہر بھوپال میں پیدا ہوا۔

یہ بات مسلم ہے کہ کاندھلہ ان کی جائے پیدائش نہیں ہے بلکہ وطن ہے۔ اپنی ایک تصنیف مقدمہ التفسیر فصل ثالث میں اپنے مولد و منشا میں خود فرق کرتے ہیں کہ بھوپال میری جائے ولادت ہے اور کاندھلہ میرا وطن ہے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد
** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد
*** اسسٹنٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف کمپیریٹو لیجن، یونیورسٹی آف سندھ

قاری فیوض الرحمان لکھتے ہیں کہ آپ کا آبائی وطن یوپی کا مردم خیز قصبہ کاندھلہ، ضلع مظفر نگر ہے۔ آپ کے والد جناب محمد اسماعیلؒ صاحب بھوپال محکمہ جنگلات کے مہتمم تھے، وہیں 1899ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ والد صاحب کی طرف سے صدیقی اور والدہ کی طرف سے فاروقی ہیں۔ آپ کا خاندان ایک علمی خاندان تھا، مثنوی مولانا روم کے خاتم جناب مفتی الٰہی بخشؒ صاحب اور مولانا فخر الدینؒ صاحب رازی آپ کے اجداد میں ہیں۔ آپ کے والد محترم حافظ محمد اسماعیلؒ بڑے عابد وزاہد اور پرہیز گار شخص تھے۔ ریاست بھوپال میں محکمہ جنگلات کے مہتمم تھے۔ بھوپال میں قیام کے دوران ان کے پاس حافظ محمد ادریس کی پیدائش ہوئی۔ آپ کی پیدائش کے چند سال بعد ہی آپ کے والد نے بھوپال کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور کاندھلہ کی جامع مسجد میں درس حدیث شروع کر دیا۔[2]

مولانا کے والد حافظ محمد اسمعیل کاندھلویؒ اپنی تصنیف "الفارق بین المنقاد والمارق" میں مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ تک اپنا شجرہ نسب بیان کرتے ہیں:

"بندہ ناچیز سراپا تقصیر راجی رحمۃ اللہ محمد اسمٰعیل بن صاحب الصدق والصفا الحاج محمد اسحق بن صاحب العلم والفضل الاتم المولوی محمد ابوالقاسم بن جامع کمالات معنوی وصوری صاحب تالیفات کثیرۃ المفیدۃ المشہور بین الانام بالمفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ غفرلہ"[3]

مقدمہ تفسیر معارف القرآن میں اپنے نسب کے متعلق تصریح یوں فرمائی:

"بندہ ناچیز حافظ محمد ادریس بن مولانا حافظ محمد اسماعیل کاندھلویؒ جو نسبتاً صدیقی مسلکاً حنفی اور مشرباً چشتی ہے"[4]

تعلیم وتربیت

آپکی ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے والد محترم سے ہوا۔ خاندانی روایت کے مطابق حفظ قرآن شروع کیا اور نو سال کی عمر میں مکمل کر لیا۔[5] دینی تعلیم کے حصول کے لئے آپ کے والد محترم آپ کو قطب عالم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"حضرت! میں ادریس کو خانقاہ اشرفیہ میں داخل کرنے کیلئے لایا ہوں اور اب یہ آپ کے سپرد ہے۔ یہ سن کر حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے برجستہ جواب دیا کہ حافظ صاحب یہ نہ کہیں کہ خانقاہ اشرفیہ میں داخل کرنے کیلئے لایا ہوں بلکہ یوں کہیں کہ مدرسہ اشرفیہ میں داخل کرنے کیلئے لایا ہوں"[6]

ابتدائی دینی تعلیم مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زیر نگرانی خانقاہ تھانہ بھون کے مدرسہ اشرفیہ میں حاصل کی۔ یہاں انہیں مولانا عبداللہ گنگوہیؒ مؤلف "تیسیر المنطق" سے استفادہ کا موقع ملا۔ بعد میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے۔[7]

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس دینی اور روحانی تربیت کا آغاز ہوا لیکن وہ چاہتے تھے کہ حافظ محمد ادریس علم دین کی تعلیم وتدریس کیلئے وقف ہو۔ آپ کی علوم دینیہ کی تحصیل سے متعلق قاری محمد اکبر شاہ بخاریؒ اپنی کتاب "بیس علمائے حق" میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر یہاں اس کی تلخیص کی جارہی ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا نور بصیرت اس حقیقت کو بھانپ گیا تھا کہ حافظ اسماعیل کا بیٹا صرف خانقاہی نظام کے لئے نہیں پیدا ہوا، اس سے تو قدرت قرآن وسنت کے علوم کی ایسی عظیم خدمت لے گی جو کہیں صدیوں میں کسی مرد مومن کا نصیب بنتی ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے اس ارشاد پر آپ کو خانقاہ اشرفیہ کے بجائے مدرسہ اشرفیہ میں داخل کیا گیا۔ صرف ونحو کی پہلی کتاب حضرت حکیم الامتؒ نے خود شروع کرائی اور اس کے بعد آپ نے مدرسہ اشرفیہ میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کر دیا۔ مدرسہ اشرفیہ میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کیلئے آپ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل کیا گیا اور خود حضرت تھانویؒ آپ کو سہارنپور لے کر گئے، اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے سپرد کیا۔ حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر مروج علوم کی تکمیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے کی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا حافظ عبد اللطیفؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ جیسے جلیل القدر علماء واساتذہ سے علمی استفادہ کیا اور 19 برس کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔ پھر مکرر دورہ حدیث کیلئے مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند جو ائمہ فن علماء واتقیاء کا ایک بے مثال گہوارہ تھا ایک طرف نمونہ سلف قدوۃ المشائخ حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کا حلقہ درس، حافظ ابن حجرؒ اور شیخ الاسلام نوویؒ کے حلقہ درس کی مثال تھا تو دوسری طرف شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا حلقہ درس اور حلقہ فتاویٰ اور اس کے ساتھ حلقہ اصلاح وارشاد اور سالکین طریقت کی تربیت کا بے نظیر سلسلہ جاری تھا۔ ایک طرف یادگار سلف عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ کا درس حدیث وفقہ اور نہایت مفید عام تصانیف کا سلسلہ تھا تو دوسری طرف بزرگان سلف کے نمونے پیکر علم وعمل ستاروں کی طرح درخشاں نظر آتے تھے جن کے چہرے دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتا تھا۔ کسی شخص پر ان حضرات کی توجہ اور نظر عنایت ہو جانا بلاشبہ حق تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ دار العلوم دیوبند میں انہیں اکابر کی توجہات وعنایات کا مرکز رہے۔ چنانچہ آپ نے اس گہوارہ علم میں، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا عزیز الرحمان عثمانیؒ وغیرہم اکابر سے دورہ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔[8]

تدریسی خدمات

فراغت تعلیم کے بعد 1921ء سے آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔ یہ سلسلہ مدرسہ امینیہ سے شروع ہوا۔ وہاں سے دار العلوم دیوبند پھر جامعہ بہاولپور اور بالآخر جامعہ اشرفیہ لاہور میں یہی عظیم خدمت سرانجام دیتے ہوئے زندگی کے ماہ وسال تمام ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی کے استاذ، ڈاکٹر محمد سعد صدیقی نے آپ کے تدریسی سفر کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ انہی کے تحقیقی مقالہ سے چند معروضات مختصرا یہاں نقل کی جا رہی ہیں۔

1338ھ بمطابق 1921ء سے آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔ مفتی محمد کفایت اللہؒ کے قائم کردہ مدرسہ امینیہ دہلی سے آپ نے تدریس شروع کی اور ایک سال بعد ہی ارباب دار العلوم دیوبند نے آپ کو دیوبند میں تدریس کی دعوت دی۔ مادر علمی دار العلوم دیوبند میں تدریس ایک بڑا اعزاز تھا۔ مولانا نے اس پیش کش کو قبول کیا اور دیوبند فروکش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعزاز کو اس طرح دوآتشہ کیا کہ ایک سال

قبل جن کبار اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا، انہی کے پہلو میں بیٹھ کر ان سے حاصل کردہ فیض کو عام کرنا شروع کر دیا۔ دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے سال اول ہی میں آپ نے فقہ کی اعلیٰ ترین کتاب "ہدایہ" ادب کی ایک اہم کتاب "مقامات حریری" جیسی مشکل کتب پڑھائیں۔ دارالعلوم دیوبند سے یہ تعلق کم و بیش نو سال قائم رہا۔ اس دوران نماز فجر کے بعد نودرہ میں درس قرآن دیتے جس میں دارالعلوم کے متوسط اور اعلیٰ درجات کے طلبہ حتیٰ کہ بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ اسی درس کی بناء پر آپ کو بیضاوی اور تفسیر ابن کثیر پڑھانے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ 1929ء میں دارالعلوم چھوڑ کر حیدر آباد دکن آ گئے۔

حیدر آباد دکن کا نو برس پر مشتمل قیام آپ کی زندگی میں اس اعتبار سے تاریخی گردانا جا سکتا ہے کہ وہاں قیام کے دوران آپ نے عظیم الشان کتاب "التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح" تالیف کی۔ حیدر آباد دکن میں قیام کے دوران دنیائے علم کے ایک عظیم کتب خانہ، کتب خانہ آصفیہ میں موجود بعض نادر مخطوطات سے استفادہ کیا جن میں تورپشتی کی "المفاتیح شرح مصابیح" سب سے اہم ہیں، جس سے آپ نے تعلیق میں استفادہ کیا اور بعض مقامات پر سیرۃ المصطفیٰ ﷺ میں بھی اس کے حوالہ جات موجود ہیں۔ حافظ تورپشتی کی یہ کتاب مصابیح کی ایک بلند پایہ شرح ہے جس کا مخطوط نسخہ دنیا میں صرف کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم اور قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند ہوئے تو ان حضرات نے آپ کو بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول کر لی، اور حیدر آباد دکن کے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ پر ستر روپے ماہانہ کی دارالعلوم کی تدریس کو ترجیح دی، اور 1939ء میں دوبارہ دیوبند آ گئے۔ دارالعلوم میں یہ قیام ہجرت پاکستان تک (دس سال) رہا۔ وہاں آپ نے تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر، سنن ابوداؤد، طحاوی جیسی امہات الکتب پڑھائیں۔[9]

مارچ 1940ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور اس کے بعد پورے برصغیر میں مسلمانوں کیلئے علیحدہ مملکت کے حصول کیلئے بھرپور تحریک شروع ہو گئی۔ مولانا نے اگرچہ عملاً سیاست میں حصہ نہیں لیا لیکن آپ دو قومی نظریہ کے زبردست حامی تھے۔ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ میں بھی جہاد کی بحث میں دو قومی نظریہ پر مدلل اور علمی گفتگو کی ہے۔ 1947ء میں مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آئی۔ مئی 1949ء میں مولانا نے پاکستان ہجرت کرنے کا ارادہ کر کے بادل ناخواستہ دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دے دیا۔ اس موقع پر آپ کو دارالعلوم باٹھ ہزاری چاٹگام، مشرقی پاکستان کی جانب سے بحیثیت شیخ الحدیث آنے کی دعوت دی گئی لیکن آپ نے مغربی پاکستان آنے کو ترجیح دی۔

دسمبر 1949ء میں ریاست بہاولپور کی دعوت پر آپ پاکستان آ گئے اور جامعہ عباسیہ بہاولپور میں بحیثیت شیخ الجامعہ تدریسی خدمات کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور سے وابستگی پر 25 دسمبر 1949ء کو آپ نے جامعہ عباسیہ میں بحیثیت شیخ الجامعہ کا چارج لیا۔ جامعہ عباسیہ میں عصری و دینی تعلیم کے اختلاط کی وجہ سے روحانیت اور للہیت نہ تھی جو دینی مدارس کا خاصہ ہوتی ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو وہاں کا یہ ماحول اور مادی دوڑ پسند نہ آئی اور جلد ہی طبیعت میں تکدر پیدا ہو گیا۔

1951ء کے اوائل میں مولانا جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے اور یہاں خطاب فرمایا۔ مولانا مفتی محمد حسنؒ کی نظر انتخاب

نے مولانا کو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث کے طور پر منتخب کر لیا۔ چنانچہ بہاولپور واپس جانے کے بعد ایک خط میں جامعہ اشرفیہ آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول کر لی اور پھر عمر عزیز کے آخری لمحہ تک جامعہ سے اپنے تعلق کو قائم رکھا۔[10]

تصنیفات وتالیفات

وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں ان اعمال حسنہ میں سے ہے جس کا ثواب فرمان رسول اللہ ﷺ کے مطابق مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو تصنیفات و مؤلفات کی صورت میں بھی ایسا علم نافع عطا فرمایا تھا جس سے تشنگان علم و حکمت تا قیامت مستفید ہوتے رہیں گے اور مؤلف مذکور عنداللہ ماجور رہیں گے۔ آپ کی تصانیف کی فہرست طویل ہے، یہاں تک کہ ان کی تعداد پچپن تک پہنچ جاتی ہے جیسا کہ "تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی" کے مولف نے اس کی فہرست دی ہے۔[11]

سیاسی وملی خدمات

مولانا کاندھلویؒ کا تعلق دیوبند علماء کے اس طبقہ سے تھا جو تحریک پاکستان میں پرجوش تھا۔ آپ اس قافلۂ حریت میں شامل تھے جس کے سالار علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔[12] بالاخر 14 اگست 1947ء کو برصغیر کے مسلمانوں کا وہ خواب پورا ہوا جو انہوں نے 1940ء کو قرارداد لاہور کی صورت میں دیکھا تھا۔ مسلمانوں کیلئے ایک الگ ملک، پاکستان کے نام سے بن گیا اور مسلمانوں کی کثیر تعداد نے پاکستان کی طرف ہجرت شروع کر دی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اکثر اساتذہ اور طلبہ مسلم لیگ کے خلاف اور کانگریس کے حامی تھے۔ ایسے ماحول میں مولانا کاندھلویؒ کا ایک قومی نظریہ کی مخالفت اور دو قومی نظریہ کی حمایت کرنا ان کی جرأت و بہادری کی ایک مثال ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ ایسے شخص تھے، جسے برحق گردانتے اسے برملا بے دھڑک کہہ دیتے تھے۔[13]

مولانا ادریس کاندھلویؒ نے اپنی کتاب سیرت المصطفی ﷺ میں "قوم پرستوں کا مغالطہ" کے نام سے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ اس عنوان کے تحت آپ عقلی انداز سے ایک قومی نظریے کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قوم پرستوں کا یہ کہنا کہ ایک وطن اور ایک ملک کے باشندے سب ایک قوم ہیں یہ ان کا محض ایک مغالطہ اور دھوکہ ہے، اس گروہ کا ایک خاص نظریہ اور خاص عقیدہ ہے۔ جو شخص اس عقیدے اور نظریے میں ان کا موافق اور ہم خیال ہے وہ ان کا دوست ہے اگرچہ وہ دوسرے ملک اور وطن کا باشندہ ہو اور جو شخص اس نظریے اور عقیدے میں ان کا مخالف ہو وہ ان کا دشمن ہے اگرچہ وہ ان کا باپ یا بیٹا یا بھائی یا استاد ہی کیوں نہ ہو"۔[14]

اس طرح مولانا کاندھلویؒ نے دو قومی نظریہ کی حمایت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی بھی تلقین کی اور تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت کی کہ جب تک مسلمان اسلامی وحدت میں جڑے رہے عزت و احترام اور شان و شوکت کے ساتھ جئے۔ جونہی اسلامی وحدت کے دائرے سے باہر نکلے تباہی و بربادی اور ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی۔

شیخ الحدیث مولانا ادریس کاندھلویؒ کی جہاں تحریک پاکستان میں دوسری خدمات ہیں وہاں قیام پاکستان کے بعد پاکستانی دستور کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے جو کوششیں ہوئیں ان میں بھی آپ کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔اسی بات کا اعتراف کرتے ہوئے حافظ محمد اکبر شاہ بخاریؒ لکھتے ہیں:

"بہر حال جنوری 1951ء سے لیکر زندگی کے آخری مرحلے 1974ء تک پاکستان میں اسلامی دستور کی تدوین و نفاذ کی کوئی کوشش اور تحریک ایسی نہ تھی جس میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے حصہ نہ لیا ہو۔ علماء کے تمام مشترکہ اجتماعات میں شرکت کی اور تحریر و تقریر کے ذریعے ہمیشہ کوشاں رہے کہ اس ملک میں اللہ کا قانون نافذ ہو، اسی کا بول بالا ہو"۔[15]

مولانا کاندھلویؒ نے دستور اسلامی کیلئے اجتماعات اور کانفرنسوں میں شرکت کرنے کے علاوہ متعدد ٹھوس مضامین، رسائل اور کتابیں بھی تالیف کیں، جنہوں نے آئین پاکستان کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے راہ ہموار کی۔[16]

آئین سازی کے دوران 1956ء اور 1973ء کے آئین میں اسلامی دفعات اور قرارداد مقاصد کی منظوری علماء حق کی کوششوں کا ہی مرہون منت ہے۔انہی کوششوں کے نتیجے میں حکومت پاکستان نے ایک اور عملی قدم اٹھایا اور اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل کا اعلان کر دیا۔ابتداء میں مولانا کاندھلویؒ نے بوجوہ اس کی رکنیت قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر بعد میں مولانا کوثر نیازیؒ اور اپنے صاحبزادے محمد میاں صدیقی کے پرزور اصرار پر رکنیت قبول کی اور کونسل کے اجلاسوں میں آپ نے شرکت فرمائی اور مؤثر اور پرمغز گفتگو کی۔[17]

وصال اور سفر آخرت

2 اگست 1973ء کی رات کو اچانک طبیعت خراب ہو گئی اور روز بروز کمزوری میں اضافہ ہو رہا تھا حتی کہ 28 جولائی 1974ء/8 رجب المرجب 1394ھ، بروز اتوار صبح پانچ بج کر دس منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ بعد نماز ظہر ساڑھے تین بجے نماز جنازہ ہوئی۔ خلف الرشید مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں خزینہ علم و معرفت کو سپرد خاک کر دیا گیا۔[18]

مولانا کاندھلویؒ کی وفات حسرت آیات کی خبر پر ہر طرف سے اظہار غم کیا گیا۔روزنامہ نوائے وقت لاہور آپ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے:

"ان کی رحلت سے دینی حلقوں میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے اور تدریس حدیث کے سلسلہ میں ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔آمین"۔[19]

آپ کی زندگی گویا جہد مسلسل کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی۔آپ نے جن اداروں میں کام کیا وہاں آپ کے فیض سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا اور آپ کے اخلاص وللہیت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب کئی لوگوں کی زندگیاں بدل ڈالیں اور انہیں راہ ہدایت سے سرفراز فرمایا۔آپ نے اصلاح عوام و خواص میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا اور راہ عزیمت پر چلنے والوں کی خوب حوصلہ افزائی کی۔

تفسیر معارف القرآن کا تعارف اور خصوصیات

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ قرآن پاک کے حافظ وعالم تھے۔انہیں قرآن کے الفاظ وتراکیب اور مطالب ومعانی سے خصوصی شغف تھا۔اسی بناءپر انہوں نے جدید وقدیم تفاسیر کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا۔ تفسیری مطالعہ کے دوران ایسی تفاسیر بھی نظر سے گزریں جن کے نئے میلانات ورجحانات پر مبنی کچھ مباحث سے آپ پوری طرح مطمئن نہ تھے۔لہٰذا آپ نے 1941ء میں معارف القرآن کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر کا آغاز کیا۔

تفسیر معارف القرآن ایسی جامع اور مستند تفسیر ہے جو سالک راہ حقیقی کو صحیح طور پر منشاء باری تعالیٰ تک پہنچا سکتی ہے۔یہ ایک ضخیم تفسیر ہے جو 8 جلدوں پر مشتمل ہے۔اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مولانا کاندھلویؒ کے ساتھ ان کے بڑے بیٹے مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کو بھی سعادت حاصل ہے۔سورۃ الفاتحہ سے لے کر سورۃ الصافات تک پہلا حصہ جو کہ پہلی چھ جلدوں پر مشتمل ہے، اس پر آپ نے خود کام کیا۔آپؒ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند ارجمند مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے سورۃ صٓ سے لے کر سورۃ الناس تک دو جلدوں پر مشتمل تفسیر کو مکمل کیا۔

آٹھوں جلدوں کی تفصیل سورتوں کے لحاظ سے درج ذیل ہے۔

جلد اول ۔	سورۃ الفاتحہ تا سورۃ آل عمران (آیت 91 تک)
جلد دوم ۔	سورۃ آل عمران (آیت 92 سے) تا سورۃ الانعام (آیت 110 تک)
جلد سوم ۔	سورۃ الانعام (آیت 111 سے) تا سورۃ ھود (آیت 5 تک)
جلد چہارم۔	سورۃ ھود (آیت 6 سے) تا سورۃ الکھف (آیت 74 تک)
جلد پنجم ۔	سورۃ الکھف (آیت 75 سے) تا سورۃ النمل (آیت 59 تک)
جلد ششم ۔	سورۃ النمل (آیت 60 سے) تا سورۃ الصافات
جلد ہفتم ۔	سورۃ صٓ تا سورۃ الحدید
جلد ہشتم ۔	سورۃ المجادلہ تا سورۃ الناس

اس تفسیر کے لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ مولانا کاندھلویؒ نے خود دو وجوہات بیان کی ہیں۔

صحیح ترجمہ اور مختصر جامع تفسیر کی منزل کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ بیان القرآن کی طرز پر ایک ایسی مضبوط تفسیر لکھی جائے جو سلف صالحین کے مسلک سے ذرہ برابر بھی ہٹی ہوئی نہ ہو، عہد صحابہ وتابعین سے آج تک راسخین فی العلم نے قرآن کی جو توضیحات بیان کی ہیں انہیں ایک امانت سمجھتے ہوئے مسلمانوں تک پہنچا دیا جائے اور اپنی رائے کو اس میں بالکل دخل نہ ہو۔

مترجمین، مفسرین کے روپ میں آزاد منش گروہ جو فتنہ وفساد مسلمانوں میں پھیلا رہا ہے اس فتنہ سے مسلمانوں کو متنبہ اور محفوظ کیا جائے۔[20]

زمانہ تالیف

تفسیر معارف القرآن کا آغاز 1360ھ/1941ء میں ہوا۔ لیکن کچھ ملکی حالات اور سفری مشکلات کی وجہ سے تفسیر کا کام ملتوی رہا۔ 10 جمادی الاولی 1375ھ/1955ء تک، یعنی پندرہ سال کے عرصہ میں مولانا صرف سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی تفسیر لکھ پائے۔[21]

باقی تفسیر کس طرح مکمل ہوئی اس کی تفصیل وہ خود معارف القرآن میں بیان کرتے ہیں:

اس کے بعد قیام لاہور کے دوران رمضان 1382ھ/1962ء تک یعنی سات سال دو ماہ کے عرصہ میں آپ سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء کی تفسیر کی تالیف سے فارغ ہوئے۔[22]

14 رجب 1387ھ/1967ء کو دس پاروں کی تفسیر مکمل ہوئی۔[23]

14 ذی الحجہ الحرام 1389ھ/1969ء کو نصف قرآن کریم کی تفسیر مکمل ہوئی۔[24]

27 صفر 1394ھ/1974ء کو مولانا سورۃ الصافات کی آخری آیات کی تفسیر سے فارغ ہوئے۔[25]

اس کے بعد علالت کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ مولانا مزید کچھ نہ لکھ سکے اور اسی مرض وصال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا اس کتاب کو تشنۂ تکمیل چھوڑ کر اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ مولانا کی وفات کے بعد ان کے فرزند ارشد مولانا محمد مالک کاندھلویؒ (م: اکتوبر 1988ء) جامعہ اشرفیہ کے منصب شیخ الحدیث پر فائز ہوئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ مولانا کی تعزیت کیلئے لاہور تشریف لائے تو ان کی ہدایت اور ان کے ہاتھ سے تحریر کردہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے اس تفسیر کا آغاز کیا۔ مولانا نے اپنے والد گرامی کے طرز کو ہی سامنے رکھا اور اسی اسلوب کو برقرار رکھا۔ مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کا تحریر کردہ یہ تکملہ 15 صفر المظفر 20 اکتوبر 1986ء، مولانا کی وفات کے ٹھیک دو سال پہلے مکمل ہوا۔ اس طرح اسی تفسیر کو "جلالین" سے ایک قدرتی مشابہت نصیب ہو گئی۔[26]

تفسیری میلانات پر نظر

مولانا کاندھلویؒ نے جدید و قدیم تفاسیر کا بڑی تفصیل سے مطالعہ کیا اور تمام تفسیری میلانات پر گہری نظر رکھتے تھے، اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالہ میں تفصیلات کچھ یوں دی ہیں:

"مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے ایشیاء کے ان تفسیری میلانات پر دو زاویوں سے نظر ڈالی ہے۔ مولانا کا ایک زاویہ نگاہ ترجمہ قرآن کریم کے ابتدائی زمانہ کی طرف ہے جس میں شاہ ولی اللہؒ کا فارسی، شاہ عبد القادرؒ کا اردو بامحاورہ اور شاہ رفیع الدینؒ کا اردو لفظی ترجمہ شامل ہیں۔ اردو ترجمہ قرآن کریم کے بعد اردو تفسیر کے دور کا آغاز ہوتا ہے، جس میں مکمل تفاسیر میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن، مولانا عبد الحق دہلویؒ کی فتح المنان اور علامہ عثمانیؒ کے فوائد عثمانی شامل ہیں۔ دوسرے زاویہ نگاہ سے ایک میلان تفسیر مولانا نے بہت لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: {ان آزاد مفسروں کی ہمہ تن یہ کوشش ہوتی ہے کہ لفظ تو عربی ہوں اور معنی مغربی ہوں}۔[27] ملحدین کے باطل خیالات کو قرآن کے نام سے مسلمانوں میں پھیلانے والے اس گروہ کو 'آزاد منش' کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں اگرچہ کسی تفسیر یا مولف کا نام تو نہیں لیا گیا لیکن تعبیر والفاظ اور فحوائے کلام اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ مولانا کا اشارہ سر سید احمد خانؒ اور ابو الکلام آزادؒ اور

اس طبقے کے دوسرے مفسرین کی طرف ہے"۔[28]

معارف القرآن کا منہج

مولانا ادریس کاندھلویؒ کی تفسیر بیان القرآن کے طرز پر لکھی گئی ہے، جو مطالب قرآنیہ کی توضیح و تشریح و ربط آیات کے علاوہ قدرے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ و تابعین پر اور بقدر ضرورت لطائف و معارف، نکات مسائل مشکلہ کی تحقیقات اور ملاحدہ و زنادقہ کی تردید اور ان کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

اس تفسیر میں آیات، سورتوں میں ربط کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ آیات کی ضروری تشریح کے بعد " فائدہ" کے عنوان سے اسرار و نکات بیان کرتے ہیں اور جابجا فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی ہیں۔ یہ ترجمہ و تفسیر سلف صالحین کے مسلک کے مطابق ہے، کہیں بھی اپنی رائے اور نظریے کو قرآن کا جامہ نہیں پہنایا گیا ہے۔

تفسیر مذکورہ میں مؤلف جہاں ایک طرف امام رازیؒ، امام قرطبیؒ، حافظ ابن کثیرؒ، امام آلوسیؒ کے اقوال نقل کرتے ہیں وہاں شیخ محی الدین ابن عربیؒ، حسن بصریؒ، مولانا رومیؒ کے صوفیانہ کلام اور ذوقی معارف کو بھی نقل کرتے ہیں۔ مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں قول راجح بیان کرتے ہیں۔ ماخذ میں سب سے زیادہ علامہ آلوسی کی روح المعانی اور امام رازی کی تفسیر کبیر پر اعتماد کرتے ہیں۔ مفسر موصوف اپنی تفسیر سے متعلق لکھتے ہیں:

"اس حقیر و فقیر کی یہ تفسیر گداگروں کی جھولی کی طرح ہے جو قسم قسم کے کھانوں اور طرح طرح کے نوالوں سے لبریز ہے اور فقیروں کی گدڑی کی طرح ہے جس میں ناظرین کو رنگ برنگ کے پیوند نظر آئیں گے۔ اگر کوئی اس گدائے بے نوا سے پوچھے کہ تیرے پاس یہ قسم قسم کے کھانے اور رنگ رنگ کے اطلس و کمخواب کے ٹکڑے کہاں سے میسر آئے تو یہ ناچیز جواب میں عرض کرے گا کہ میں تو گدائے بے نوا ہوں مگر بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر بھیک مانگنے کیلئے جاتا ہوں، وہاں سے بھیک میں جو کھانے مل جاتے ہیں وہ لاکر دوستوں کے سامنے رکھ دیتا ہوں جس کو لقمہ اور نوالہ خوش ذائقہ معلوم ہو تو نوش جان کرلے جو مرغوب طبع نظر آئے وہ تناول کرے"۔[29]

مولانا کاندھلویؒ مزید لکھتے ہیں:

"اس تفسیر میں جو کچھ بھی علم ہے وہ سب کا سب خسروان علم و حکمت کے دروازوں سے ملی ہوئی بھیک ہے جو ایک دریوزہ میں جمع کردی گئی ہے۔ اور اکثر و بیشتر ان دروازوں کے نام بھی بتلادیے ہیں جہاں سے یہ فقیر بھیک مانگ کر لایا ہے تاکہ جسے اور کچھ مانگنا اور لینا ہو تو وہ خود ان دروازوں پر پہنچ جائے"۔[30]

اس تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ مفسر ایک یا دو یا زیادہ آیات کا ترجمہ کرتے ہیں پھر ان کی مکمل تفسیر کرتے ہیں۔ تفسیر میں نہ طوالت سے کام لیتے ہیں اور نہ اختصار سے بلکہ درمیانہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ کبھی کبھار ربط بھی بیان کرتے ہیں۔ آیات میں خاص خاص اسماء والفاظ وغیرہ کی خوب وضاحت کرتے ہیں تاکہ قارئین کیلئے عنوانات کے دیکھنے میں آسانی ہو۔ آیات کی تفسیر کے بعد اگر کوئی نکتے کی بات رہ گئی ہو تو فٹ لکھ

کر اس کی بھی تفصیل کرتے ہیں مثلا:

"وبشر الذين آمنوا وعملوا الصالحات أن لهم جنات تجري من تحتها الأنهار كلما رزقوا منها من ثمرة رزقا قالوا هذا الذي رزقنا من قبل وأتوا به متشابها ولهم فيها أزواج مطهرة وهم فيها خالدون"[31]

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے ایسے باغات (تیار) ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جب کبھی ان کو ان (باغات) میں سے کوئی پھل رزق کے طور پر دیا جائے گا تو وہ کہیں گے "یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی دیا گیا تھا" اور انہیں وہ رزق ایسا ہی دیا جائے گا جو دیکھنے میں ملتا جلتا ہوگا اور ان کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان (باغات) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"

آیت کا ترجمہ و تفسیر کے بعد فائدے میں لکھتے ہیں:

"انسان کیلئے تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے، 1۔ کہاں سے آیا، 2۔ کہاں رہتا ہے، 3۔ اور کہاں جانا ہے۔ الذي خلقكم میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم عدم سے آئے ہو اور الذي جعل لكم الأرض سے اس طرف اشارہ ہے کہ چند روز زمین میں قیام کرنا ہے، فاتقوا النار سے اس طرف اشارہ ہے کہ عالم آخرت کو جانا ہے، عذاب الٰہی سے بچنے کی کوشش کرو"۔[32]

ایک دوسرے مقام پر آیت:

"فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه إنه هو التواب الرحيم" [33]

ترجمہ: پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لیے (جن کے ذریعے انہوں نے توبہ مانگی)۔ چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ بے شک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں انیس صفحات استعمال کئے ہیں اور دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں۔ صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک و منزہ ہوتے ہیں۔ قصداً وارادۃً ان سے حق تعالی کی نافرمانی ممکن نہیں۔[34]

مولانا ادریس کاندھلویؒ نے اس تفسیر کی تالیف کا آغاز 1360ھ /1941ء میں کیا۔ سورۃ الصافات کے اختتام تک پہنچے تو آپ کا انتقال ہوگیا۔ اسکے بعد آپ کے بڑے بیٹے مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے سورۃ ص سے سورۃ الناس تک تفسیر کو مکمل کیا۔ مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے بھی مولانا کے ہی طرز اسلوب کا تتبع کیا۔

معارف القرآن کی خصوصیات

تفسیر معارف القرآن کے مؤلف ایک جید عالم اور نامور مدرس ہیں۔ انہوں نے علوم اسلامیہ کا صرف سرسری مطالعہ نہیں کیا بلکہ زندگی کا ایک بڑا حصہ مسند پر بیٹھ کر ان علوم کو پڑھایا ہے جس کی وجہ سے وہ علوم قرآن و حدیث میں ایک خاص مہارت رکھتے تھے اور یہ علمی پختگی اور تعمق معارف القرآن کے مطالعہ کے دوران جابجا نظر آتا ہے۔ ذیل میں تفسیر معارف القرآن کی چند منفرد خصوصیات کا مختصر جائزہ پیش کیا

جارہا ہے۔

1۔اسم بامسمی تفسیر

زیر نظر تفسیر اپنے نام کی واقعی علوم و معارف کا خزینہ ہے۔ منفرد خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ مولانا کاندھلویؒ آیات کی تفسیر میں لطائف و معارف کے عنوان سے بہت ہی دقیق و لطیف تفسیری نکات بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ[35] میں قصہ آدم کی مختصر تفسیر کے بعد ایک عنوان "فوائد مستنبطہ از قصہ آدم علی نبینا وعلیہ وبارک وسلم وشرف وکرم" کے نام سے قائم کیا ہے جس میں انہوں نے لطیف نکات بیان کئے ہیں۔[36]

2۔ تفسیر بالماثور

معارف القرآن کی نوعیت کا تعیین ضروری ہو تو اسے تفسیر بالماثور کا نام دیا جا سکتا ہے، کیونکہ بہت سارے تفسیری نکات کا ماخذ و مرجع فرامین رسول ﷺ اور اقوال صحابہ ہیں۔ تفسیر میں مختلف مقامات کی تشریح و توضیح کیلئے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ کرام اور تابعین نقل کئے ہیں۔ مثلاً آیت:

" ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى أبصارهم غشاوة ولهم عذاب عظيم" [37]

ترجمہ: اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لئے زبردست عذاب ہے۔"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے درج ذیل احادیث اور روایات نقل کی ہیں:

"عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: الطابع معلقة بقائمة عرش الله عز وجل، فإذا انتهكت الحرمة وعمل بالمعاصي، واجترئ على الرب، بعث الله الطابع فيطبع على قلبه، فلا يقبل بعد ذلك شيئًا" [38]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مہر لگانے والا فرشتہ عرش کا پایا پکڑے کھڑا رہتا ہے جب کوئی شخص اللہ کے حکم کی بے حرمتی کرتا ہے اور کھلم کھلا اس کی نافرمانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ کے مقابلہ میں گستاخ اور دلیر ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مہر لگانے والے فرشتے کو حکم دیتے ہیں وہ فوراً اس گستاخ اور بیباک کے دل پر مہر لگا دیتا ہے جس کے بعد وہ کسی حق کو قبول نہیں کرتا۔"

دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی:

"عن أبي هريرة، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن المؤمن إذا أذنب كانت نكتة سوداء في قلبه، فإن تاب ونزع واستغفر، صقل قلبه، وإن زاد زادت، حتى يعلو قلبه ذاك الران الذي ذكر الله عز وجل في القرآن : {كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون}" [39]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ

اس کے قلب پر لگ جاتا ہے۔ پس اگر توبہ کر لی اور اس گناہ سے باز آ گیا تو دل کو صیقل کر دیا جاتا ہے اور اگر کوئی اور گناہ کیا تو وہ نقطہ اور بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کے دل کو گھیر لیتا ہے۔ اور یہی وہ زین (زنگ) ہے جس کی حق تعالیٰ نے {كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون}[40] میں خبر دی ہے۔"

3۔ ربط آیات و سور کا بیان

قرآن مجید ایک حکیم ذات کا کلام ہے جس کی سورتیں اور آیات مفاہیم و مطالب کے حوالے سے مربوط ہیں اور اس ربط کو وہی بیان کر سکتا ہے جو علوم قرآنیہ میں دقت نظر رکھتا ہو، ڈاکٹر محمد سعد صدیقی بیان کرتے ہیں:

"ربط آیات و سور کے ساتھ مولانا کو خصوصی شغف ہے۔ تفسیری معارف و نکات کے بیان سے پہلے مولانا ربط بیان کرتے ہیں۔ ربط کی ان مباحث کو تین انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (الف)۔ ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط۔ (ب)۔ ایک سورۃ کا دوسری سورۃ سے ربط۔ (ج)۔ ہر سورۃ کی آخری آیات کا اس کی ابتدائی آیات سے ربط"۔[41]

اس سلسلے میں بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر آیات کے باہمی ربط سے متعلق ایک مثال دی جا رہی ہے۔

سورۃ آل عمران میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے آئے؟ حضرت مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ پروردگار کی جانب سے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

"هنالك دعا زكريا ربه قال رب هب لي من لدنك ذرية طيبة إنك سميع الدعاء "[42]

ترجمہ: اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہنے لگے: یارب مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دے۔ بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔"

حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر اولاد کی دعا مانگنے میں کیا حکمت ہے، مولانا اس بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور اولاد سے ناامید ہو چکے تھے۔ جب حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو یکایک دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اولاد کی دعا کروں، اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ مجھ کو بے موسم میوہ مل جائے (یعنی بڑھاپے میں اولاد مرحمت ہو جائے)۔ کیونکہ مردان پیر اور زن عاقر سے اولاد کا پیدا ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسے گرمی میں جاڑے کے پھلوں کا مہیا ہو جانا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ کیلئے کسی سبب کا پایا جانا شرط نہیں"۔[43]

4۔ مستند ماخذ و مراجع

معارف القرآن کی علمی حیثیت کا اندازہ اس کے ماخذ و مراجع سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ماخذ و مصدر شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ قرآن کریم اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن ہیں۔ دیگر اہم مصادر کے حوالے سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

" علم تفسیر میں علامہ سیوطیؒ کی در منثور، قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی کی تفسیر مظہری، علامہ ابن کثیر کی تفسیر القرآن العظیم، رازی کی تفسیر کبیر،

آلوسی کی روح المعانی، ابن جریر کی جامع البیان، ابن عطیہ کی روح البیان، اور ابوحیان کی البحر المحیط۔ حدیث کی صحاح ستہ کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ، مستدرک حاکم، ابن قدامہ کی مغنی، شروح حدیث میں ابن حجر کی فتح الباری، سیوطی کی الخصائص الکبری، شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء، کلامی مسائل میں ابن تیمیہ کی منہاج السنہ النبویہ، حضرت عیسی علیہ السلام سے متعلق عقائد و نظریات کی بحث میں ابن قیم کی الجواب الصحیح قابل ذکر ہیں۔"[44]

مولانا کاندھلویؒ خود بھی مقدمہ تفسیر میں ان مستند مصادر کی طرف اشارہ اس طرح کرتے ہیں کہ ان کی عاجزی وانکساری بھی لفظ لفظ سے ٹپک رہی ہے۔ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"اس حقیر و فقیر کی یہ تفسیر گداگروں کی جھولی کی طرح ہے جو قسم قسم کے کھانوں اور طرح طرح کے نوالوں سے لبریز ہے اور فقیروں کی گدڑی کی طرح ہے جس میں ناظرین کو رنگ برنگ کے پیوند نظر آئیں گے۔اگر کوئی اس گدائے بے نوا سے پوچھے کہ تیرے پاس یہ قسم قسم کے کھانے اور رنگ برنگ کے اطلس و کمخواب کے ٹکڑے کہاں سے میسر آئے تو یہ ناچیز جواب میں عرض کرے گا کہ میں تو گدائے بے نوا ہوں مگر بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر بھیک مانگنے کیلئے جاتا ہوں وہاں سے بھیک میں جو کھانے مل جاتے ہیں وہ لاکر دوستوں کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ جس کو جو لقمہ اور نوالہ خوش ذائقہ معلوم ہو تو نوش جان کرلے اور جو مرغوب طبع نظر آئے وہ تناول کرے۔ یہی حال اس گدائے بے نوا کا ہے کہ اس تفسیر میں جو کچھ بھی علم ہے وہ سب کا سب خسروان علم و حکمت کے دروازوں سے ملی ہوئی بھیک ہے جو ایک دریوزہ میں جمع کردی گئی ہے۔اور اکثر و بیشتر ان دروازوں کے نام بھی بتلادیے ہیں جہاں سے یہ فقیر بھیک مانگ کر لایا ہے تاکہ جسے اور کچھ مانگنا اور لینا ہو وہ خود ان دروازوں پر پہنچ جائے"۔[45]

5۔ منفرد اسلوب تحریر

معارف القرآن منفرد اسلوب تحریر کی حامل تفسیر ہے۔ متن آیت اور ساتھ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ایک مضمون کی چند آیات منتخب کرکے ان کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ ترجمہ کے بعد ایک توضیحی ترجمہ دیا جاتا ہے جس میں مولانا کی طرف سے توضیحی الفاظ بھی شامل ہوتے ہیں۔الفاظ ترجمہ کو توضیحی الفاظ سے نمایاں کرنے کیلئے ان کو خط کشیدہ کردیا جاتا ہے۔خط کشیدہ ترجمہ مولانا تھانوی کی بیان القرآن کے ترجمہ سے گہری مناسبت رکھتا ہے۔[46]

اس سلسلہ میں معارف القرآن سے درج ذیل مثال دی جاتی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ:

"اے اولاد یعقوب (علیہ السلام) میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر (وقتاً فوقتاً) انعام کیا اور اس کو (بھی) کہ میں نے تم کو بہت لوگوں پر فوقیت دی اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ (حق واجب) ادا کرنے پاوے گا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جاوے گا اور نہ کسی کی کوئی سفارش (جب کہ ایمان نہ ہو) مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کو کوئی بچا سکے گا۔"

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ:

"اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو(اس حیثیت سے) یاد کرو کہ وہ تم پر محض اپنی مہربانی سے (اس نعمت کا) انعام کیا تھا اور (یاد کرو اس امر کو کہ) میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت اور بزرگی دی تھی، اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی کسی کی طرف سے کام نہیں آئے گا۔ اور نہ (بدون ایمان کے) کوئی شفاعت (اور سفارش نفع دے گی) اور نہ ان لوگوں کی کوئی مدد کی جائے گی۔"[47]

6۔ مسائل تصوف کا بیان

مولانا کاندھلویؒ خود میدان تصوف کے شاہسوار ہیں اور تصوف ان کے مزاج کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں صوفیانہ نکات پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اور مباحث تصوف کے سلسلے میں انہوں نے تفسیر بیان القرآن سے خاص استفادہ کیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ فرید الدین عطارؒ، جنید بغدادیؒ، شاہ عبدالقادرؒ، علامہ آلوسیؒ، ابوالقاسم قشیریؒ اور حافظ ابن قیمؒ کے بیان کردہ نکات کو بھی کچھ مقامات پر بیان کیا ہے۔

سورۃ الاحزاب کی آیت: "إنا عرضنا الأمانة على السماوات والأرض"[48] کے تحت مولانا کاندھلویؒ نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ کے حوالے سے امانت کی تعریف میں نہایت عمدہ نکات بیان کئے ہیں:

"حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل الاعمال بالاختیار ہیں۔ یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے احکام شریعت کو بجالانا۔ کیونکہ مطلق عبادت اور اطاعت سے کوئی شے خالی نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:

ثم استوى إلى السماء وهي دخان فقال لها وللأرض ائتيا طوعا أو كرهًا قالتا أتينا طائعين[49]

ترجمہ: یعنی ہم نے آسمان اور زمین سے کہا کہ ہمارے احکام تکوینیہ کے لیے تیار ہو جاؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ سب نے عرض کیا کہ خوشی سے تیار ہیں۔

معلوم ہوا کہ عابد اور مطیع تو تمام مخلوق ہے لیکن مکلف سب نہیں بجز انسان کے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تکلیف اور اطاعت میں فرق ہے اور جس امانت سے تمام عالم گھبرا گیا اور تکلیف شرعی ہی ہے جس سے مراد عمل مع الاختیار ہے۔ مطلب یہ کہ امانت سے وہ اختیاری اطاعت مراد ہے جو طبیعت کے مقتضا کے خلاف ہو یا تکلیف شرعی سے ثواب و عتاب کی اہلیت اور صلاحیت مراد ہے، جیسا کہ شاہ عبدالقادرؒ موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ امانت کے معنی پرائی چیز کو اپنی خواہش سے روک کر رکھنے کے ہیں اور آسمان و زمین میں اپنی کوئی خواہش نہیں یا ہے تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے"۔[50]

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیات سے مستفاد مسائل تصوف اور ان پر بحث مولانا کاندھلویؒ کا خاص ذوق تھا۔

7۔ مسائل فقہیہ کا بیان

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے معارف االقرآن میں جو مسائل فقہیہ بیان کئے ہیں انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ احکام طہارت وعبادت

2۔ معاشرتی معاملات

3۔ ممنوعات و محرمات

مولانا کاندھلویؒ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ فقہائے اربعہ کے درمیان اختلاف کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو راجح قرار دیتے ہیں اور فقہ جعفریہ سے اختلاف کی صورت میں اہل تشیع کی کتب سے حوالے دے کر ان کا استدلال باطل قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ آیت وضوء:

"يأأيها الذين آمنوا إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق وامسحوا برءوسكم وأرجلكم إلى الكعبين" [51]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو۔ اپنے سروں کو مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔"

اس آیت میں اہل تشیع ایک الگ مؤقف رکھتے ہیں۔ وہ وضوء میں پاؤں دھونے کی بجائے اس کے مسح کے قائل ہیں۔ مولانا اادریس کاندھلویؒ نے انکے استدلال کو باطل قرار دیا ہے اور اختلاف قرأت پر بڑی مفصل و مدلل بحث کی ہے۔ ان کے نزدیک یہ امر قطعاً ناممکن ہے کہ وقت واحد میں دو مختلف اور متضاد چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مراد ہوں۔ لہٰذا حق تعالیٰ کے نزدیک غسل رجلین اور مسح رجلین میں سے ایک ہی معنی مراد ہوں گے۔ رہا یہ امر کہ حق تعالیٰ کے نزدیک کون سے معنی مراد ہیں تو اس اجمال اور اشتباہ کے دور کرنے کیلئے احادیث نبویہ اور تعامل صحابہ وتابعین کی طرف رجوع کرنا ضروری معلوم ہوا۔ پس نبی کریم ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے امر بخوبی واضح ہو گیا کہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک غسل رجلین مامور بہ ہے جیسا کہ قرأت نصب اس پر دلالت کرتی ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک یہی معنی متعین اور مراد ہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں۔[52]

8۔ معارف القرآن کے مباحث خصوصی

معارف القرآن میں عقائد، اعمال، معاملات، اور حدود و تعزیرات سے متعلق سینکڑوں موضوعات ہیں جن سے اس کی علمی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ چند خصوصی مباحث کی تفصیل یہ ہے:

توحید الوہیت، اسماء وصفات الہیہ، رسالت و نبوت، عصمت انبیاء، معجزات، اور معاد کے تحت فاضل مصنف نے قدیم فلاسفہ اور ملاحدہ اور جدید عقلیت پسند گروہوں کے شبہات کا مسکت جواب دیا ہے۔ ساتھ ساتھ مختلف اسلامی فرقوں جیسے معتزلہ، قدریہ، جہمیہ اور خوارج کے نقطہ نظر پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ بالخصوص شیعہ کے نظریات واعتقادات اور قرآنی تاویلات پر مولانا کاندھلویؒ نے کھل کر نقد کیا ہے۔ آسمانی مذہب میں سے عیسائی مبلغین اور مستشرقین کی جانب سے اسلام کے احکام و مسائل اور پیغمبر اسلام کی ذات اقدس پر لگائے گئے

الزامات پر تنقید اور ان کا رد کیا گیا ہے۔ مستشرقین کا یہ خیال کہ " اسلام ترقی کا مانع ہے " کی تردید بھی مولانا موصوف نے جا بجا فرمائی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکے پیروکار حضرات اور ان کی قرآنی تاویلات پر بھی کڑی گرفت کی گئی ہے۔ اسلام کے اوامر و نواہی کے اسرار ورموز کے سلسلہ میں حرمت سود، مشروعیت جہاد، اسلامی حدود و تعزیرات، عورتوں کیلئے پردہ اور شراب و قمار کی حرمت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ فقہی مسائل میں مسلک احناف کی ترجیح کو عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔[53]

9۔ معارف القرآن میں کلامی مباحث

مولانا کاندھلویؒ علم الکلام میں خاص مہارت رکھتے تھے اور اس سے متعلقہ مباحث سے خصوصی شغف تھا۔ لہٰذا معارف القرآن میں ہمیں جا بجا کلامی مباحث نظر آتے ہیں۔ نبوت و رسالت، معجزات کے منکرین اور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے شبہات کا نہایت علمی انداز میں رد کرتے ہیں۔ اور بھرپور انداز میں عقائد اسلامیہ کے اثبات کی کوشش کرتے ہیں۔ کلامی مسائل پر مولانا کاندھلویؒ نے آیات کی تفسیر میں جو نظریات پیش کئے ہیں انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ توحید والوہیت اور اللہ کی دیگر صفات پر بحث۔

2۔ نبوت و رسالت اور معجزات و عصمت انبیاء پر گفتگو۔

3۔ عالم ملکوت اور روز قیامت کے احوال کا بیان۔

مولانا نے توحید اور اسلام کے عنوان سے ایک لطیف بحث کی ہے اور سورۃ الانبیاء کی آیت لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا فسبحان الله رب العرش عما يصفون[54] (اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔ لہٰذا عرش کا مالک اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بالکل پاک ہے جو یہ لوگ بنایا کرتے ہیں) کے تحت لکھتے ہیں :

" مذہب اسلام کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد دلائل عقلیہ اور نظریہ پر قائم ہے۔ اسلام کے اصول مسلمہ میں ایک اصل توحید ہے جو اسلام کی اصل اول اور رکن رکین ہے اور دوسری اصل نبوت و رسالت ہے اور تیسری اصل قیامت و آخرت ہے۔ اسلام کے دیگر اصولوں کی طرح توحید بھی بے شمار دلائل عقلیہ سے ثابت ہے جس میں ذرا برابر شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔ اسلام نے جس قسم کی توحید پیش کی ہے اہل اسلام جس قدر بھی اس پر فخر کریں اور شکر کریں سب بجا درست ہے۔ اجمالی طور پر اگرچہ مذہب میں توحید کا اقرار پایا جاتا ہے مگر وہ شرک کی نجاستوں سے آلودہ ہے "۔[55]

10۔ آیات کی تفسیر میں اشعار کا استعمال

مولانا کاندھلویؒ کا تعلق ان علماء سے ہے جو عربی زبان و ادب میں اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ انہیں عربی زبان میں نظم و نثر دونوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ عربی زبان و ادب میں یہ خصوصی شغف قرآن و حدیث کی تعلیم و ترویج میں مدد و معاون ثابت ہوا۔ معارف القرآن میں مختلف آیات کی تفسیر میں بھی جا بجا اشعار کا استعمال کرتے ہیں۔ کچھ مقامات پر ایسے مناسب اشعار لکھے ہیں کہ وہ آیات کی شعری تفسیر معلوم ہوتے ہیں۔

آیات معراج کی تفسیر میں جو اشعار ذکر کئے ہیں ان میں سے دو اشعار درج ذیل ہیں:

فسبحان من اسریٰ بلیل بعبده الى المسجد الاقصىٰ الٰى عرشه العلیٰ رای الآیة الکبریٰ و ما شاء ربه رای جنة الماویٰ و ما لم یخیل [56]

ترجمہ: پاک ذات ہے جو رات کو اپنے بندے کو لے گئی مسجد اقصیٰ تک پھر عرش عظیم تک۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں اور اللہ تعالیٰ نے جو چاہا دکھایا اور جنت الماویٰ جو خیال میں نہ آسکے وہ دیکھی۔

11۔ باطل فرقوں کے شکوک وشبہات کا رد

معارف القرآن کی صورت میں مولانا کاندھلویؒ نے قلمی جہاد کیا ہے۔ وہ عقائد و تعلیمات اسلامیہ کی سرحدوں کے محافظ ہیں۔ دشمنان اسلام نے اسلام کے متعلق جن شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے مولانا کاندھلویؒ نے بھرپور انداز میں ان کا رد کیا ہے۔ معارف القرآن میں "آزاد منش" کی جو اصطلاح استعمال ہوئی ہے یہ دراصل ان ملحدین کیلئے ہے جنہوں نے تفسیر کے نام پر اپنے باطل خیالات کو ترویج دینے کی کوشش کی ہے۔ مقدمہ معارف القرآن میں انہی ملحدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان آزاد مفسروں کی ہمہ تن یہ کوشش ہوتی ہے کہ لفظ عربی ہوں اور معنی مغربی ہوں"۔ [57]

یہاں اگرچہ کسی تفسیر یا مؤلف کا نام نہیں لیا مگر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ سر سید احمد خان، ابوالکلام آزاد اور اس طبقہ کے دوسرے مفسرین کی طرف ہے۔

معارف القرآن بنیادی طور پر قدیم مفسرین کی آراء کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ اسلوب تحریر اگرچہ آج کے دور کے قارئین کے لئے اردو فہمی کے اعتبار سے ذرا مشکل ضرور ہے تاہم تفسیر کے اندر ادبی چاشنی اور الفاظ کا ایسا انتخاب ہے کہ جس کی وجہ سے تحریر کا لسانی حسن بڑھ جاتا ہے۔ مفسر نے سلف کے منہج کی سختی سے پیروی کی ہے۔ محدثین کے اصول حدیث، متکلمین کے اصول کلام اور فقہ حنفی کے اصول فقہ کی پیروی قدم بہ قدم کی گئی ہے۔ اس تفسیر کا مطالعہ اردو خواں طبقے کو قدیم تفسیری ادب سے روشناس کرانے کی کامیاب کوشش ہے۔

درج بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے جو روایت پسندی کے حامل اور داعی تھے۔ دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے انہوں نے ہر طرح کی قربانی دی، یہاں تک کہ معاش کے معاملہ میں بھی انہوں نے دین اسلام کو پیش نظر اور اپنی ترجیحات میں مقدم رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے انعام میں جن علوم وہبیہ سے نوازا ان کی تفصیل مذکورہ بالا صفحات میں درج ہوئی۔ آپ کی علمی خدمات میں نمایاں کام آپ کی تفسیر معارف القرآن ہے۔ معارف القرآن ایک جامع قسم کی تفسیر ہے جو مسائل فقہ، تصوف، علم الکلام وغیرہ پر مشتمل ہے اور عمومی طور پر اس کا انداز علمی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1. تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، صدیقی، محمد میاں، مکتبہ عثمانیہ، جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ، لاہور، جولائی 1977ء، ص: 32
2. مشاہیر علماء دیوبند، فیوض الرحمان، قاری، المکتبۃ العزیزیہ اردو بازار، لاہور، 1976ء، ص: 436/1
3. الفارق بین المنقاد والمارق (مخطوط) کاندھلوی، محمد اسمعیل، مولانا
4. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، مکتبۃ المعارف، دارالعلوم حسینیہ، شہداد پور، سندھ، 1433ھ، ص: 14/1
5. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، ص: 33
6. بیس علمائے حق، مرتب: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، بخاری، محمد اکبر شاہ، حافظ، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، 1992ء، ص: 198
7. تذکرہ علمائے پنجاب، اختر راہی، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، 1981ء، ص: 609/2
8. بیس علمائے حق، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، بخاری، محمد اکبر شاہ، حافظ، ص: 202،203
9. بیس علمائے حق، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ-احوال و آثار، صدیقی، محمد سعد، ڈاکٹر، ص: 207- 209
10. بیس علمائے حق، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ-احوال و آثار، صدیقی، محمد سعد، ڈاکٹر، ص: 209
11. تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، صدیقی، محمد میاں، ص: 81-84
12. ایضاً، ص: 188
13. ایضاً، ص: 185
14. سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، کاندھلویؒ، محمد ادریس، مولانا، الطاف اینڈ سنز، کراچی، 1433ھ، ص: 488/1
15. تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند، بخاری، محمد اکبر شاہ، حافظ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل، کراچی، 1987ء، ص: 360
16. تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین، بخاری، محمد اکبر شاہ، حافظ، طیب اکیڈمی بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان، 2000ء، ص: 575
17. تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، صدیقی، محمد میاں، ص: 219
18. علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی خدمات (تنقیدی و تقابلی جائزہ)، (تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ)، صدیقی، محمد سعد، ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور، 1993ء، ص: 221
19. روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 30 جولائی 1974ء
20. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 17/1، 18
21. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 549/1
22. ایضاً، ص: 422/2
23. ایضاً، ص: 505/3
24. ایضاً، ص: 625/4
25. ایضاً، ص: 529/6
26. علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات (تنقیدی و تقابلی جائزہ)، صدیقی، محمد سعد، ص: 605

27. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 18/1
28. علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات (تنقیدی و تقابلی جائزہ)، صدیقی، محمد سعد، ص: 395
29. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 18/1
30. ایضاً
31. سورۃ البقرۃ: 25/2
32. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 104/1
33. سورۃ البقرۃ: 37/2
34. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 133/1-152
35. سورۃ البقرۃ: 30/2-39
36. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 157/1 -162
37. سورۃ البقرۃ: 2 / 7
38. شعب الایمان، بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول، 1410ھ، السابع والأربعون من شعب الایمان وھو باب فی معالجۃ کل ذنب بالتوبۃ، فصل فی الطبع علی القلب اوالرین، رقم الحدیث: 7203، ص: 5 / 440
(علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ نے اس حدیث کی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بحوالہ الجامع شعب الایمان، بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی، محقق: مختار احمد الندوی، مکتبہ الرشد، ناشرون، 2003ء، ص: 378/9)
39. مسند امام احمد بن حنبل، احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ بن محمد، عالم الکتب، مکتبہ النھضۃ العربیۃ، بیروت، لبنان، طبع اول، 1419ھ – 1998ء، رقم الحدیث: 7939، ص: 297/2
(اس حدیث کی اسناد قوی ہیں، راوی ثقہ ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے۔ بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل، محقق: شعیب الارنوؤط، عادل مرشد وآخرون، ص: 333/13)
40. سورۃ المطففین: 14/83
41. علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات (تنقیدی و تقابلی جائزہ)، صدیقی، محمد سعد، ص: 403
42. سورۃ آل عمران: 3 /38
43. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 606/1
44. علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات (تنقیدی و تقابلی جائزہ)، صدیقی، محمد سعد، ص: 399
45. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 18/1
46. علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات (تنقیدی و تقابلی جائزہ)، صدیقی، محمد سعد، ص: 400
47. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 278/1 (سورۃ البقرہ: 122/2، 123)
48. سورۃ الاحزاب: 33 / 72

49. سورۃ حمٰ السجدۃ: 11 / 41
50. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 341/6
51. سورۃ المائدۃ: 6/5
52. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 452/2
53. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 18،17/1
54. سورۃ الانبیاء: 22/21
55. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 200،199/5
56. معارف القرآن، کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، ص: 438/4
57. ایضاً، ص: 18/1